ناموس رسالت اور توہین رسالت کا علمی اور تاریخی جائزہ

☆ ڈاکٹر دوست محمد خان

The Orientalists are well aware of this fact that when the West became the custodian of the world affairs due to their scientific and academic development, they occupied almost all the Asia and Africa.

During their occupation of these regions, while on the one hand they added many more things to the culture, civilization and academics and on the other hand, they tried to influence the faith and beliefs of the people. In this regard their scholars and think tanks struggled hard. This phenomenon continued for hundreds of years.

In this malign compaign, the Orientalists focused their full attention on Islam, Islamic history, Civilization, Islamic Law, Quran and Sunnah and especially the life of the Holy Prophet (S.A.W). In this article some objections of Orientalists are anazlyzed and responded academically.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت، لگاؤ، عقیدت اور احترامِ اسلام کے بنیادی عقیدہ کی بناء پر ہر مسلمان کا بیش قیمت اور انمول سرمایۂ حیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور سے لے کر آج تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے عشق ومحبت ہر مسلمان کے رگ وپے میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے۔ جیسے انسان کے جسم میں خون گردش کررہا ہے جو اسے زندگی اور تروتازگی بخشتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب لوگ صحابہ کرامؓ ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کا سرمایہ سب سے زیادہ ان کے حصے میں آیا تھا۔ جنہوں نے آپؐ کے ساتھ زندگی کے بہترین ایام گزار کر آپ کی نشست وبرخاست، بول چال، معاملات، اور اخلاقیات کا ایک

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید مرکز اسلامی، جامعۂ پشاور۔

خوبصورت پیکر نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اسے اپنایا بھی، جو اپنی دلکشی کے ساتھ شب و روز اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے تھے۔ اور چاروں طرف سے لوگ صورت اور سیرت کی ان کرشمہ سازیوں کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین اور بہترین نمونے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ملتے ہیں جن کے دل اس سے لبریز تھے اور اس محبت کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کو اپنانے اور آپؐ کے فرمان کی اطاعت میں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کرنے میں لطف و راحت اور روحانی سکون محسوس کرتے تھے۔ اولاد، اموال اور املاک تو ایک طرف آپؐ کے ساتھ محبت اور آپؐ کی ناموس و عزت کی حفاظت میں اپنی جانوں تک کی حفاظت سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ یہ مقام، یہ احترام اور محبت و عقیدت کا معیار دنیا کی تاریخ میں بڑے سے بڑے فرمانروا، مصلح، جرنیل، بادشاہ اور عظیم سے عظیم رہنما کو بھی ان کے ساتھیوں، پیروکاروں، عوام، درباریوں وغیرہ سے کبھی نہیں مل سکا ہے۔

اس بات کا اعتراف آپ ﷺ کے سخت ترین مخالف نے بہت نازک موقع پر کیا تھا؟

''عروہ بن مسعود ثقفی نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا تھا اس نے قریش کے سامنے اس طرح بیان کیا تھا'' میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن یہ وارفتگی اور عقیدت کہیں نہیں دیکھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں''(۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور دیگر مسلمانوں کی یہ عقیدت اور وارفتگی اس بناء پر ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منشائے الٰہی کے اظہار کا معتبر ترین اور صحیح ترین ذریعہ ہیں۔

اور یہ سلسلہ اس طرح قیامت تک رہے گا۔ کیونکہ آپ خاتم النبین ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ مگر آپؐ اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیین ہیں''(۲)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانانِ عالم کے درمیان جو تعلق اور رشتہ ہے وہ تمام دوسرے انسانی اور دنیاوی رشتوں اور تعلقات سے بالاتر اور منفرد نوعیت کا ہے۔ کوئی رشتہ اس رشتے سے اور کوئی تعلق اس تعلق سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے درمیان ہے ذرہ بھر برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانانِ عالم کے لئے ان کے ماں باپ سے بڑھ کر شفیق ورحیم اور ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔ انسان کے ماں باپ اور بیوی بچے اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں۔ ان کو گمراہ کر سکتے ہیں، ان کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں صرف وہی بات کرنے والے ہیں جس میں ان کی حقیقی فلاح ہو۔ انسان خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار سکتا ہے، حماقتیں کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے وہی کچھ تجویز کریں گے جو واقعی ان کے حق میں سودمند ہو(۳)۔

جب معاملہ یہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مسلمان پر حق ہے کہ وہ آپؐ کو اپنے ماں باپ، اولاد اور جان اور دنیا و مافیہا سے بڑھ کر عزیز رکھیں۔ اپنی رائے پر آپؐ کی رائے کو اور اپنے فیصلے پر آپؐ کے فیصلے کو انفرادی اور اجتماعی معاملات میں مقدم رکھیں اور آپؐ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کریں۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ توبہ میں بیان فرمایا ہے: ''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ'' (۴) ''بلاشبہ تمہارے پاس رسول آئے ہے، جو تم میں سے ہیں۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ ان

کے لئے نہایت گراں ہے۔ وہ تمہارے فائدے کے لئے حریص ہیں۔ مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والے ہیں''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ آپؐ کا اپنی امت سے قلبی تعلق ہے۔ظاہراً بھی آپؐ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی آپؐ اس میں شریک ہوتے اور ان میں کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کو کڑھن ہوتی تھی۔ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی، اہل مدینہ کو خوف محسوس ہوا۔ چند آدمی جب اس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو آپؐ آ رہے تھے آپؐ نے فرمایا:"لَمْ تَرَاعُوا" ''ڈرو نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں''(۵) آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ جن امور سے بنی نوع انسان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ ان سے بچاؤ کی تدابیر اور ہدایات واضح فرماتے تھے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ موذی جانوروں سے ڈسنے سے بچنے کے لئے کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی تاکید فرمائی۔ اس سلسلے میں بہت ساری تعلیمات ہیں جن کی تفصیل احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ جن سے یہ بات نہایت آسانی کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔"وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "(۶) ''ہم نے جو تجھے بھیجا ہے تو سب عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

اس آیت کی تشریح میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ ''رحمت کے معنی پیار، ترس، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری کے ہیں۔ اور کون شخص ہے جو دنیا میں ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے۔ یقیناً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا''۔

عالم، علمیّت کی صفات سے بنا ہے یعنی ہر وہ شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے۔ وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی

صلاحیت رکھتی ہے۔ الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی وذہنی تک وسیع ہے۔ اب اندازہ کرو اس مقدس ہستی کا، جس کا سب سے پیار ہے، جو سب پر ترس کھاتا ہے۔ ہر ایک کا ہمدرد وغمگسار ہے۔ جس کی محبت عام ہے جو ہر کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کرسکتا ہے، جو ایک وساوس کو اپنے حقائق سے ہمدرو دوست بنا سکتا ہے تو ایسی صفات سے مزین شخصیت کی شرف وفضیلت کا کیا ٹھکانہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ ربّ العالمین نے سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرما کر یہ ظاہر کردیا ہے کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپروانہیں رہ سکتی۔ اس طرح رسول کریم ﷺ کی تعلیمات وتفہیمات سب کے لئے اور سب کے فائدے کے لئے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کرسکتی۔ شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج اور گرمی کی احتیاج نہیں بلکہ ایک باشعور اور صاحب دماغ کے لئے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے سورج اور گرمی کی احتیاج نہیں لیکن ایک باشعور اور صاحب دماغ کا یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ کی مطلقاً حاجت نہیں۔ دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہؐ کے بعد کیوں کر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اقتباس اور استعمال بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے۔ اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر ہر اس خرمن حیات سے خوشہ چینی کی ہے (۷)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آفاقی اور بے مثال تعلیمات کا اثر صحابہ کرامؓ اور بعد کے اسلامی معاشروں پر اتنا گہرا تھا کہ مسلمانوں نے براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کے وسیع ترین علاقوں کو فتح کرنے کے باوجود مفتوحہ اقوام کے مذہبی عقائد ومعاملات میں مداخلت روانہیں رکھی بلکہ ہمیشہ دوسروں کے مذہبی جذبات واحساسات کا احترام کیا۔ کیا یہ کہنا حق بجانب نہیں ہوگا کہ اگر مسلمان فاتحین نفرت اور تشدد کے اس اصول کو اپنا لیتے جو آج یہود وہنود اور نصاریٰ (امریکہ اور یورپ کے عیسائی) اسلام کے بارے میں بالعموم اور فلسطین، کشمیر، چیچنیا اور دیگر خطوں کے

مسلمانوں کے بارے میں اپنائے ہوئے ہیں تو کیا پورے اندلس (Spain)، برصغیر ہندو پاک، مشرق وسطیٰ، براعظم ایشیا وافریقہ کے کسی خطہ میں آج ایک بھی غیر مسلم موجود ہوتا؟ لیکن کم وبیش آٹھ صدیاں مسلمانوں کے زیر نگین رہنے والے جزیرہ نما ہسپانیہ میں یہودیت ونصرانیت اور برصغیر ہندو پاک میں ہندومت آج بھی ماضی کی شان وشوکت کے ساتھ موجود ہے۔

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں نہ صرف یہ کہ اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق دنیا میں عدل وانصاف اور باہمی احترام ومحبت کا نظام جاری کیا بلکہ دنیا پر علم وعرفان کے حوالے سے بھی وہ احسانات کئے جسے کوئی صاحب نظر واحساس فراموش نہیں کرسکتا جن کی بدولت آج یورپ کو فلسفہ، طب (میڈیکل سائنس)، فلکیات، ریاضی، ادب، معیشت اور معاشرت کے شعبوں میں امتیازی مقام اور عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان عظیم احسانات کے بدلے دنیا کا ہر ذی شعور انسان آپؐ کی عزت وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ غیر مسلم دنیا میں ایسے افراد کم سہی جو آپؐ کے انسانیت پر ان احسانات کے معترف ہیں لیکن ہیں ضرور۔

برطانیہ کے عظیم فلسفی تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کی مشہور لیکچروں پر مشتمل تصنیف "The Hero as Prophet Muhammad and Islam" جان ڈیون پورٹ (John Davenport) کی تصنیف "An Apology for Muhammad and the Qur'an"، باسورتھ سمتھ (Boswarth Smith) کی تصنیف اور تازہ ترین تصنیف ممتاز امریکی ادیب مائیکل ہارٹ (Michael Hart) کی ہے جو The Most Influential Persons in History- "The 100" کے نام سے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انسان جب تعصب، جہالت اور نفرت وکدورت کو ترک کرکے ایک معتدل اور غیر متعصب ذہن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرتا ہے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تھامس کارلائل نے آپؐ کو پیغمبروں کا سردار تسلیم کیا ہے۔ ٹالسٹائی نے آپؐ کو دنیا کی عظیم اور واجب الاحترام شخصیت قرار دیا ہے۔ ہندوستان میں بھی بعض اہل ہنود نے حضور ﷺ کی شان

میں نہایت عمدہ نعتوں کے ذریعے اپنے نیک جذبات کا اظہار کرتے ہوئے خراج عقیدت پیش کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں تاریخ میں ایسے بھی بد بخت ملتے ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، تعلیمات، شریعت، قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ پر ہر دور میں بے بنیاد اور غیر منطقی بے ہودہ الزامات کی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں کفارِ مکہ نے یہود حجاز و مدینہ کے ساتھ مل کر جس طرح آپ کو اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اذیتیں پہنچائیں وہ قرآن وحدیث جیسے مستند مصادر میں محفوظ ہیں۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات اور احکامات اور آپؐ کی مکی اور مدنی زندگی میں لائحہ عمل کے حوالے سے یہود ونصاریٰ اور کفار کے اعتراضات اور ہفوات اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے مدلل جوابات بھی ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ آپؐ نے اس حوالے سے کسی کے ساتھ بھی سختی کا برتاؤ نہیں کیا۔ لوگوں کے ظاہری اسلام کو بھی اسلامی احکامات کے تحت ماپا ہے۔ مدینہ منورہ میں اسلام کے سب سے بڑے مخالف اور سازشیوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو اس کا بیٹا حضرت عبداللہؓ خود قتل کرنا چاہتا تھا لیکن آپؐ نے منع فرمایا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول وہی بد بخت شخص تھا جس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر آپ کو اپنی حیات مبارکہ میں سب سے زیادہ مغموم ومحزون کر دیا تھا۔ لیکن آپؐ نے کمال تحمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی کا انتظار فرمایا۔ یہاں تک کہ سورۂ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاکدامنی پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی تب کہیں جا کر اسلامی قانون قذف کے مطابق نہ صرف منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی کو اسی (۸۰) کوڑے لگے بلکہ دو مسلمانوں پر بھی یہی قانون لاگو ہوا۔ لیکن پہلا شخص جس کو اس بناء پر قتل کر دیا گیا کہ وہ نہ صرف کفار مکہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے بہت پر زور اشعار کہا کرتا تھا بلکہ اس کا بڑا جرم یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہہ کر لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف برانگیختہ کرتا تھا(۸)۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں عرب میں شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ میں بڑے بڑے اخبارت، رسائل وجرائد اولیکٹرانک میڈیا کا ہے۔ تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ میں شعر کے اثر سے آگ لگادیتا تھا۔

تاریخ میں شاید یہی بد بخت جس کا نام کعب بن الاشرف تھا، توہین رسالت کا مرتکب ہوکر حضرت محمدؓ بن مسلمہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ اس زمانے میں یہ ایسا شخص تھا جس کی اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجرمانہ کارروائیوں کا سلسلہ رکنے میں آتا ہی نہ تھا۔ اس کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا مدینہ منورہ کے امن وسلامتی کے لئے خطرناک تھا۔

مستشرقین (Orientalists) آج بھی اس بد بخت کے سیاہ کرتوتوں کو نظر انداز کردیتے ہیں اور اسے اپنے سیاہ اعمال کی بناء پر حکومت مدینہ کی طرف سے جو سزا ملی اس پر تنقید کرتے ہیں۔ یقیناً یہ رویہ صرف وہی لوگ اپنا سکتے ہیں جو مجرموں پر رحم کرنے اور مظلوم کی بے بسی کو نظر انداز کرنے کا نام ہی انصاف رکھتے ہیں۔ حالانکہ انصاف یہ نہیں کہ حکومت پرامن شہریوں کی عزت وآبرو اور جان ومال سے کھیلنے والوں کو ڈھیل دیتی رہے اور اسے رحم کا نام دے کر اپنی انصاف پسندی اور اعتدال پسندی کا بھرم رکھے۔ اس قسم کا رحم دراصل ظلم ہے۔ اور کوئی معاشرہ اس قسم کے ظلم کی موجودگی میں قائم نہیں رہ سکتا[۱۱]۔

دوسرا شخص جو توہین رسالت کے جرم میں قتل ہوا وہ سلام بن الحقیق یہودی تھا۔ یہ بھی مدینہ منورہ کے پرامن ماحول کو خراب کرنے کے لئے عرب قبائل کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھڑکاتا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری قوم پر حملہ کرنے کی بجائے چند صحابہ کرام کو بھیج کر اس بد بخت کو قتل کروادیا تاکہ زیادہ خون خرابہ نہ ہو[۹]۔

گستاخِ رسول کی سزا:

قرآن کریم میں تقریباً پچاس مقامات پر بتایا گیا ہے کہ اپنے زمانے اور ادوار میں مختلف

پیغمبروں کے معاصرین نے انبیاء سے استہزاء اور تمسخر کیا۔ان کی شان میں گستاخیاں کیں۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاں مستہزئین کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوطرح کا ردعمل بھی بتایا گیا ہے۔ایک یہ کہ ان کی کہی ہوئی بات کو دلائل کے ساتھ رد کیا گیا ہے یا ایسے لوگوں کو جو انبیاء کی شان میں گستاخیوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور ان کے پیغام کو مسخ کرنے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں، اللہ تعالی کی طرف سے گرفت اور عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہے کہ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استہزاء کا نشانہ بنانے والے لوگ قرآن کریم میں بیان کئے گئے دو ردعمل میں سے ایک کا شکار ضرور ہوئے یعنی یا تو ایسے لوگ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک دلائل سن کر ہدایت پا گئے۔مثلاً حضرت عمر فاروقؓ، حضرت کعبؓ بن زہیر اور حضرت سہلؓ بن عمرو سے کون اسلام کا زیادہ مخالف تھا لیکن قرآنی دلائل اور اخلاقِ نبویؐ سے متاثر ہو کر صحابہؓ کی صف میں شامل ہو گئے۔لیکن ابو لہب اور اُمّ جمیل قریبی رشتہ داران نبیؐ ہوتے ہوئے بھی دائمی عذاب کا شکار ہوئے۔

قرآن وحدیث کی رو سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سخت مجرمانہ فعل ہے لیکن اس مجرمانہ فعل کے ردعمل میں مسلمان کیسا ردِعمل ظاہر کریں یہ متفق علیہ ہونے کے باوجود روشن خیال علماء اور دانشوروں بالخصوص بعض عیسائی مشنریوں کے زیر اثر لوگوں میں قابل بحث بنا ہوا ہے۔

عالم اسلام کے اکثریتی فقہاء اور آئمہ کرام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنے والے ہر فرد (مسلمان اور غیر مسلم) کو بلا تفریق عقیدہ و مذہب واجب القتل قرار دیتے ہیں۔اور استدلال کے لئے قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کو بنیاد بناتے ہیں۔

اس موضوع پر عالم اسلام میں قرآن وسنت کی دلائل پر مبنی سب سے زیادہ جامع کتاب علامہ تقی الدین المعروف بہ امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ) نے لکھی ہے۔علامہ موصوف کے دور میں ایک عیسائی عساف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔تب

مصر وشام کے علماء کے مابین یہ بحث چل نکلی کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ وشتم کرے اسلامی شریعت میں اس کی سزا کیا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں علامہ موصوف نے چھ سو صفحات پر مشتمل وہ کتاب لکھی جو ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' کے نام سے معروف ہے۔ یعنی رسولؐ پر سبّ وشتم کرنے والے کے سر پر علامہ ابن تیمیہؒ نے سورۂ توبہ کی آیت "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عذابٌ اَلِيْمٌ"(۱۰)۔

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے''

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''اس میں عذاب دنیوی یا عذاب اخروی کی قید نہیں ہے۔ دونوں جہاں میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں بھی ایسے لوگ عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ تو ہر کافر کے لئے مقرر ہی ہے''(۱۱)۔

دوسری آیت جو علامہ موصوفؒ نے اس حوالے سے پیش کی ہے، یہ ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَلَوْ كَانُوْا آبَاءَ هُمْ اَوْ اَبْنَاءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ..."

''تم یہ کبھی نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے یا اپنی رحمت کے ذریعے ان کی تائید فرمادی ہے''۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس آیت کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا سبب نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک دفع حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ابوقحافہ نے رسولؐ اللہ پر شتم کیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنا چاہا یا یہ کہ جب عبداللہ بن ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کو

اپنا مستقل شیوہ بنالیا تو اس کے بیٹے نے آپؐ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ وشتم کرنے والا کافر اور واجب القتل ہے (۱۳)۔

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے تعلق اور محبت کی وجہ سے انہیں (ایمان لانے والوں کو) اپنے خاص عزیزوں، اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے قبیلوں سے تعلق توڑنا پڑے تو ان سے تعلق توڑیں گے اور نہ صرف تعلق توڑ دیں گے بلکہ قتل وقتال کی نوبت آئے تو قتل بھی کر دیں گے جو اللہ اور رسول کا دشمن ہے وہ اہل ایمان کا بھی دشمن ہے (۱۴)۔

سارے ائمہ فقہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام داؤد ظاہریؒ، امام ابن حزمؒ، امام ابن تیمیہؒ اور ان کے سارے صاحب علم وفضل شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ شاتم رسولؐ واجب القتل ہے اور یہ سزا اسے بطور حد دی جائیگی (۱۵)۔

حنفی فقہاء کی معروف کتب، فتاویٰ بزازیہ، ردالمحتار، فتاویٰ قاضی خان، فتاوی عالمگیری وغیرہ میں ان باتوں کا صراحتاً ذکر موجود ہے جن سے اہانت رسولؐ ہوتی ہے اور بطورِ حد اس کی سزا قتل ہے۔

علامہ عبدالرزاق بن ھمام نے اپنے مجموعۂ احادیث ''المصنف'' میں اسی حوالے سے ''سبّ النبیؐ'' کے نام سے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ اس طرح قاضی عیاض نے بھی اپنی کتاب ''الشفا'' میں وہ احادیث ذکر کیں ہیں جن سے شاتم رسولؐ کے واجب القتل ہونے کے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ دور جدید کے جید علماء بھی مثلاً سعودی عرب کی ممتاز دینی شخصیت اور مفتی شیخ عبدالعزیز بن بازؒ، پاکستان کے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا سید محمد متین ہاشمیؒ، مولانا عبد المالک کاندھلوی، علامہ سعید احمد کاظمی، مولانا صلاح الدین یوسف، مولانا حسین اکبرؒ، مولانا ابو الحسن علی ندویؒ اور مولانا تقی عثمانیؒ وغیرھم سب اس بات پر متفق ہیں کہ شاتمِ رسولؐ واجب القتل

ہے[۱۴]۔

دوسری طرف عالمِ اسلام کے بعض نام نہاد علماء، دانشور اور بالخصوص بعض عیسائی مشنریوں اور این جی اوز (NGOs) کے زیرِ اثر یا نام نہاد روشن خیالی سے متاثر اور منور روشن خیال سکالرز اس بات پر معترض ہیں کہ اہلِ اسلام شاتم اور گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں واجب القتل گردانتے ہیں؟ اس سلسلے میں ان کا اعتراض یہ ہے کہ جب اہلِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں تو پھر اپنے مخالفین کو تہہ تیغ کیوں کرتے ہیں؟ غلام احمد پرویز اور مولانا وحید الدین خان نے اس مسئلے کے بارے میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔

غلام احمد پرویز نے ''مسئلہ ارتداد'' پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مرتد کے قتل کو بھی قابلِ مذمت قرار دیا ہے۔ مولانا وحید الدین خان نے تو کمال روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلمان رشدی کے رسوائے زمانہ تصنیف "Satanic Verses" پر مسلمانانِ عالم کے ردِّ عمل کو غیر ضروری جذباتی بلکہ احمقانہ اور خلافِ شرع قرار دیا تھا۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپؐ نے اپنے مخالفین کو معاف کیا ہے۔ لہٰذا مسلمانانِ عالم کو بھی چاہئے کہ مخالفین اور گستاخانِ رسولؐ کے بارے میں دلائل کے ساتھ علمی جواب پر اکتفا کیا جائے[۱۷]۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بہت ہی ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے یہ علماء اور دانشور یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ دنیا میں بہت ساری چیزوں کے بارے میں بہت سی اقوام کے ہاں تقدس اور حرمت و عزت کے اپنے اپنے پیمانے اور افکار و اقدار ہوتے ہیں۔ جب بھی کوئی انسان ان کے بارے میں ان جیسا برتاؤ نہیں کرتا تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ اسی چیز کو مدِنظر رکھ کر اس بات کو قانون کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ ''قانون سے لاعلمی کوئی عذر نہیں'' (Ignorance of law is no excuse)

بات قانون سے لاعلمی کی بھی نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہ یہود ونصاریٰ یا ہنود عزت واحترام کے قرینوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس لئے کہ ان حضرات کے مذہبی کتب میں تحریف وترمیم کے باوجود ایسے قوانین موجود ہیں جن میں بزرگ ہستیوں اور مقدس مقامات کا احترام وتقدس قانون کا حصہ ہے۔ اور اس قانون کی خلاف ورزی قابل سزا جرم ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو بتوں کی عبادت سے روکنے اور ان کو یہ بات سمجھانے کے لئے کہ یہ بت تو خود پر سے مکھی تک نہیں ہٹا سکتے۔ ان کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر لٹکا دیا تو بت پرستوں کے قائدین نے اپنے عوام سے کہا ''ترجمہ: اگر تم کو کچھ کرنا ہے تو اپنے خداؤں کی مدد کرو اور اس (ابراہیمؑ) کو جلا ڈالو''(۱۸)۔ اس کے علاوہ ہر سطح پر بتوں کی توہین کو سزائے موت قرار دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے اپنے باپ نے اس قانون کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ ''ترجمہ: اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا''(۱۹)۔

اس طرح کی دھمکیاں اہل کفر نے حضرت شعیب علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو دی ہیں۔ ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی اس سائنسی ترقی کے دور میں افغانستان کے شہر ہرات میں جب چند لوگوں نے بدھا کا ایک مجسمہ توڑا تو جاپان سے لے کر امریکہ تک ''بچاؤ بچاؤ'' کے نعرے بلند ہوئے''۔

یونان کی سرزمین پر سقراط کو معاشرے سے غلامی کی زنجیریں توڑنے اور عقائد ورسوم کی اصلاح کرنے کی پاداش میں زہر کا پیالہ نوش کرنے پر مجبور کیا گیا(۲۰)۔

یہودیوں کے ہاں بھی خدا، رسول، یوم سبت وغیرہ کی توہین پر موت کی سزا دی جاتی تھی اور آج بھی ان لوگوں کو جو جرمنی کے ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کے ہالوکاسٹ کو تاریخی حقائق کے منافی سمجھتے ہیں، قابل گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں کی کتاب مقدس میں ہے ''کہ تو بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کرے گا اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا اور جو خداوند

کے نام پر کفر بکے گا اس کو جان سے مار دیا جائے گا''(۲۱)۔

مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق یہ دو تین حوالے اس لئے دیئے گئے تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی رسولوں، مذہب اور مقدس مقامات اور ایام کی توہین کی سزا موت ہے۔ یہی بات آج کے جدید مستشرقین کو بھی اچھی طرح معلوم ہے۔ کینڈا کے مشہور مستشرق پروفیسر کینٹویل اسمتھ (Cantewell Smith) نے مسلمانوں کے انہی جذبات کو محسوس کر کے لکھا تھا کہ:

''مسلمان خدا کے خلاف کلمات کو برداشت کر لیں گے۔ ان میں دہریے (Ethiest) بھی ہیں۔ اور دہریت پر مبنی تصانیب بھی اور عقلیت پسند سوسائیٹیاں بھی موجود ہیں۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک لفظ بھی مسلمانوں کو برافروختہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ وہ چاہے کتنے ہی روشن خیال (Liberal) کیوں نہ ہو''(۲۲)۔

اتنی واضح تعلیمات اور اس حوالہ سے مسلمانوں کے عقائد کی حساسیّت کو جانتے ہوئے بھی گذشتہ چند صدیوں سے بالعموم اور گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء (نائن الیون) کے بعد بالخصوص مسلمانوں کے مذہبی جذبات اور ان کے مقدس تاریخی حقائق کا مضحکہ اڑانا ایک مستقل روایت بن چکی ہے۔ عالم اسلام کے خلاف مغرب کے رویہ میں اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہاں ہر اس شخص کو خوش آمدید کہا جاتا ہے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دریدہ دہنی اور فضول بکواس پر مبنی کتب کو یہودی پبلشنگ اداروں سے شائع کروا کر اپنے اجرتی ادبی مبصرین اور میڈیا کے ذریعے ادب کے شہپارے منوایا جاتا ہے۔

اب کسی غیر جانبدار شخص سے پوچھا جائے کہ ایسے لوگوں کا کیا علاج ہے جن کے ہاں ان کے اپنے مذہب کے مطابق جو باتیں جائز ہیں اور ان کو وہ ناجائز سمجھتے اور مانتے بھی ہیں۔ انہیں باتوں کو اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن کی بے حرمتی اور بے ادبی کے وقت بھول جاتے ہیں۔ اور اس

قسم کی مذموم حرکتوں کو اپنے لئے باعث سعادت وافتخار سمجھنے لگتے ہیں۔اگر مسلمان احتجاج کریں تو ان کو اظہار رائے اور آزادیٔ صحافت کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔یقیناً ایسے لوگوں کے ساتھ وہی کیا جانا چاہئے جو یہود مدینہ کے ساتھ سعدؓ بن معاذ نے توریت کے احکامات کے مطابق کیا تھا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔نبوی تاریخ کا ایک ایک حرف اس بات پر گواہ ہے۔شعب ابی طالب، بطحا کی وادیاں، طائف کی چٹانیں، کوہ صفا اور مدینہ منورہ کے پہاڑ، بدر اور تبوک کے میدان سب اس بات کے گواہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانی دشمنوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اپنی بے انتہا رحمت للعالمینی سے نواز کر سرفراز کیا۔

فتح مکہ کے تاریخی موقع پر ہزاروں جاں نثاروں کی معیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خونخوار دشمن آپؐ کے سامنے منتظر مکافات سرنگوں کھڑے تھے۔اس وقت آپؐ نے ''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ '' فرما کر سب کی معافی کا اعلان کیا۔اور اپنے بدترین دشمن ابوسفیان کے گھر کو دار الامان قرار دیا۔اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی اور ان کا مثلہ کرنے والی ہند تک کو معاف کیا۔لیکن اس کے ساتھ ہی جب کبھی کسی نے اسلامی ریاست کے قیام میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی یا اسلام کی تعلیمات اور شریعت مطہرہ کے بارے میں ہفوات وہزلیات کی کوشش کی تو اس کی سرکوبی کے بارے میں ایک دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔کیونکہ ایسے لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بے کراں فیوض وبرکات سے انسانیت کو محروم کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

خدانخواستہ، اس قسم کے بدطینت لوگ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو جائیں تو ایک دفعہ پھر انسان، انسان کا غلام بن جائے گا۔اور دنیا ایک اللہ کے سامنے سرِ نیاز جھکانے کی بجائے شجر اور حجر کی عبادت میں شرف انسانیت کھو بیٹھے گی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کی یہ ذمہ داری ٹھہرائی کہ خاتم النبیین کی حیثیت سے ایسے شیاطین سے براہ راست نمٹ لیں۔اب آپؐ اور آپؐ

کے جاں نثار صحابہؓ کے بعد یہ ذمہ داری آپ کی امت کے سر ہے۔لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑھ رہا ہے کہ گذشتہ چند صدیوں سے جب مسلمانان عالم ہر لحاظ سے کمزور ہو گئے ہیں، دنیا میں ایسی طاقتیں سر اٹھا چکی ہیں جو ہر چیز کی عزت کرنے کے قائل ہیں سوائے اسلام اور مسلمانوں کے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام عطا فرمایا ہے وہ کسی ادنیٰ مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ان پڑھ سے ان پڑھ مسلمان قرآن کریم کی ان تمام آیات کی مفہوم سے باخبر ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آوازوں کا بلند کرنا منع ہے۔اسی حکم کے مطابق آج بھی مسلمانان عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے سامنے آواز بلند کرنا مکروہ قرار دیتے ہیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب کبریا کو "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَك" "اور ہم نے آپؐ کے لئے آپؐ کے ذکر کو بلند کر دیا" (۲۲) کی صورت میں جو ابدی انعام عطا فرمایا ہے۔مسلمانان عالم ہر لحظہ ولحہ اس پر نماز، اذان اور درود وسلام کی صورت میں عمل پیرا ہیں اور روز قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظمتیں اور رفعتیں عطا کی ہیں وہ نہ تو آج سے چودہ سو سال پہلے کوئی ابوجہل اور ابولہب چھین سکا تھا اور نہ ہی آپؐ سے ان عظمتوں کو کوئی گولڈزیہر، شاخت، مارگولیس (مارگولیتھ)، جارج سیل، منٹگمری واٹ یا ولیم میور چھین سکتا ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ایک ایسا آفتاب ہے، جس کی کرنیں لوگوں کو عظمتیں عطا کر دیتی ہیں۔اس آفتاب کی کرن ابوبکر پر پڑتی ہے تو وہ صدیقؓ اکبر بن جاتا ہے، عمر بن خطاب پر پڑتی ہے تو وہ فاروقؓ اعظم بن جاتا ہے اور بلال حبشیؓ پر پڑتی ہے تو وہ سیدنا بلالؓ بن جاتے ہیں۔جسے اللہ تعالیٰ نے عظمتیں تقسیم کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔جس کا مقام آج بھی یہ ہے کہ کوئی ان کے جائے مولد ووحی اور آرام گاہ کی زیارت کر لیتا ہے تو سونا بن جاتا ہے۔کس کی مجال ہے کہ خود ان کو عظمتوں سے محروم کر دے۔لیکن اتنی ناقابل تردید دلائل موجود ہونے کے باوجود، کفار مکہ

اور یہود و نصاریٰ اُس زمانے میں اور آج ان کی اولاد مسلسل آپؐ کے مقام اعلیٰ کو گھٹانے کی سعیٔ لا حاصل میں لگے رہتے ہیں۔ حقیقت میں ان لوگوں کے دل مریض ہیں اور ان لوگوں کے دلوں کا مرض، 'بغض رسولؐ' کی شکل میں ان کی زبان اور قلم سے ٹپک پڑتا ہے۔

مسلمانانِ عالم نہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر سفراء کی حیثیت سے مانتے ہیں اور سب کا احترام کرتے ہیں۔ انبیاء کے احترام کا اہتمام مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ[۲۴]" ہم رسولوں میں تفریق نہیں کرتے"۔

یہ ایک دنیاوی قانون بھی ہے کہ کسی ملک کے سفیر کا احترام ملک کے صدر اور وزیر اعظم کے شایان شان کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک فطری قانون بنتا ہے کہ خالق کائنات کے بھیجے ہوئے عالی مقام سفیروں کا سب سے زیادہ احترام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع کی ہے کہ یہود اور منافقین آپ کو پروٹوکول کے مطابق سلام نہیں کہتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ"[۲۵]

"اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے لفظ سے آپ کو سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا"۔

اب دیکھیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے یہودیوں کو جب وہ آپ کو زبان دبا کر سلام کرتے ہیں تو "السّام عليك" کہہ کر موت کی بد دعا کرتے ہیں۔ لیکن آپؐ صرف 'وعلیکم' کہہ کر جواب دیتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور جواب میں فرمایا "وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ" (تم پر موت ہو اور لعنت ہو)۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کو جواب دیا: "قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ" "(اے نبیؐ) آپؐ

فرمادیجئے کہ مرجاؤ اپنی جلن میں''۔قرآن کریم بہت سے مقامات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انہی احکامات کے بموجب ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ جب کبھی کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ بولے یا کرے تو ہم اس کا ہر لحاظ سے جامع، مدلّل اور بھرپور جواب دیں۔ کیونکہ جو کوئی آپؐ کی توہین وتنقیص کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتا ہے۔اس طرح گویا یہ قانون فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ دنیا میں کوئی بھی حکومت اپنے باغیوں کو معاف نہیں کرتی۔

دنیاوی حکومت کے سفیر کی بے عزتی ہوتی ہے یا کسی ملک کے نظریاتی، جغرافیائی یا معاشی ومعاشرتی اقدار ومفادات کے خلاف کام ہوتا ہے تو متعلقہ حکومت سے احتجاج کرنے، سفیر واپس بلانے اور ہر قسم کے تعلقات ختم کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کی جاتی۔ امریکہ بہادر تو ایسے ممالک کے خلاف فوراً پابندیاں لگا دیتا ہے، اثاثے منجمد کر لیتا ہے اور اپنے دل کی ٹھنڈک کے لئے جو کچھ جی میں آتا ہے، کر گزرتا ہے۔ دنیا جہاں میں قانون کی دھجیاں بکھیرتا رہے، لیکن جب مسلمانان عالم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پر سراپا احتجاج بنتے ہیں تو ان کو دہشت گرد، رجعت پسند، جذباتی اور نامعقول قرار دے کر مسلمانوں کی حکومتوں سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو دبالو، ورنہ ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔اس طرح مسلمان آپس میں الجھ کر منزل کی راہ کھوٹی کر لیتے ہیں۔ چونکہ عالم اسلام میں سوائے ایک آدھ حکومت کے اور کوئی مسلمان عوام کی نمائندہ حکومت موجود نہیں اور جو ہیں وہ ''ماشاءاللہ'' اپنی حکومت مضبوط ومستحکم اور نسل درنسل بنانے کے لئے استعمار کی چاکری پر مجبور ہیں۔ لہٰذا دفاع رسالت جیسے اعلیٰ وارفع، مقدس ومنزّہ شعائر اللہ کے لئے ان میں کوئی دم خم اور توفیق وتائید نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ تاریخ عالم کی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر دور اور ہر عہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنے والے اور چاہنے والے نام وناموس رسولؐ کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان کرنے کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے رہے ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ اوائلِ اسلام سے لے کر آج تک اہانت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی رہی ہے۔ کرۂ ارض پر جہاں بھی اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی

حکومت رہی ہے وہاں شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سزائے موت کا قانون رائج رہا ہے۔ عہد رسالت، دور خلافت، اموی وعباسی ادوار اور بعد میں مشرق ومغرب کی تمام اسلامی سلطنتوں میں گستاخانِ رسول ﷺ کو ہمیشہ موت کی سزا دی جاتی رہی۔اس کے برعکس جب کبھی یا جہاں کہیں مسلمانوں کے پاس حکومت نہ رہی وہاں جاں نثارانِ تحفظِ ناموس رسالت نے غیر مسلم حکومتوں کے رائج کردہ قوانین کی پرواہ کئے بغیر گستاخانِ رسولؐ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود بہ طیب خاطر تختۂ دار پر چڑھ گئے۔

عالم اسلام میں یورپی استعمار سے قبل شاتمِ رسولؐ کے لئے سزائے موت مقرر تھی۔اس سزا پر عمل درآمد کا حال یہ تھا کہ برصغیر پاک وہند میں مغل شہنشاہ اکبر کے لادین دور میں بھی شاتمِ رسولؐ کو سزائے موت دی گئی۔لیکن جب برصغیر پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا تو انہوں نے دیگر اسلامی قوانین کے ساتھ ساتھ توہین رسالت کا قانون بھی موقوف کردیا۔ اس کے بعد برطانوی سامراج نے عالم اسلام کے مذہبی جذبات اور ان کے مقدس تاریخی ورثے کا مضحکہ اڑانا ایک مستقل وطیرہ بنالیا اور مختصر وقفوں کے بعد ان کا کوئی نہ کوئی تنگ نظر اور گستاخ اہل قلم پیغمبر اسلام اور دوسرے مشاہیر ملت کی شان میں یاوہ گوئی اور تاریخی حقائق میں تحریف وتغیر کا مرتکب ہوتا رہا، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔جس سے دنیائے اسلام میں غم وغصے اور اضطراب کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ لیکن جان نثارانِ رسولؐ نے اکثر وبیشتر شاتمانِ رسول ﷺ کو قتل کرکے، اقرارِ جرم کرتے ہوئے دار ورسن کی روایت کو ہمیشہ قائم کئے رکھا ہے۔

مسلمانوں نے ہر دور میں ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ جب کبھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف معاندانہ اور گستاخانہ رویہ اختیار کیا گیا یا کسی کتاب، رسالہ یا فلم کے ذریعے کسی مذموم حرکت کا ارتکاب کیا گیا ہے تو ایسی مذموم کوشش کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی کوشش کی گئی۔لیکن اگر کہیں مسلمانانِ عالم کی قانونی چارہ جوئی کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا تو پھر سرفروشان عشق رسولؐ نے ناموس رسالت پر جان نچھاور کرنے کی روایت کو برقرار رکھا۔

بیسویں صدی کے ربع اوّل میں ہندوستان کے آریا سماجی لیڈر سوامی دیانند نے ''ستیارتھ پرکاش'' جیسی بدنام زمانہ کتاب لکھی۔ اس میں شعائر اسلام، آیاتِ قرآنی اور مسلمانوں کے تصورِ وحدانیت کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ ہندوستان کے طول وعرض میں فرزندانِ اسلام کے شدید غصے اور ردِعمل نے فرنگی حکومت کو اس رسوائے زمانہ کتاب کو ضبط کرنے پر مجبور کر دیا اور اس کی طباعت واشاعت اور فروخت قانوناً جرم قرار پائی۔

۱۹۲۳ء میں لاہور کے ایک کتب فروش راجپال نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک انتہائی شرمناک اور کذب وافتراء سے بھرپور کتاب شائع کی تو ہندوستان بھر میں غیظ وغضب کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی قانونی چارہ جوئی کے نتیجے میں انگریزی حکومت نے راجپال پر مقدمہ قائم کیا۔ اور دو سال قید کی سزا سنائی لیکن پنجاب ہائی کورٹ کے ہندو چیف جسٹس سر شادی لال نے اس کو صاف بری کر دیا۔ اس غیر متوقع واقعہ نے مسلمانوں کو انتہائی دل گرفتہ اور مضطرب کر دیا۔ اس کے بعد راجپال پر دو مسلمان نوجوانوں خدا بخش اور عبد العزیز نے قاتلانہ حملے کیے لیکن راجپال بال بال بچ گیا اور دونوں مسلمانوں کو سات سال اور چودہ سال سزائیں دی گئیں۔ لیکن تیسری بار ایک سرفروش علم الدین غازی نے راجپال کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود غازی اور شہید کا لقب پایا)(۲۷)۔

برصغیر پاک وہند میں سرفروشانِ ناموسِ رسالت کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان تمام واقعات کے تذکرہ کے لئے یہاں گنجائش نہیں۔ ایک شخصیت کا ذکر بہت ضروری ہے کیونکہ یہ وہ شخص ہے کہ نہ تو کسی مدرسے سے فارغ ہوا تھا اور نہ عام روایتی جذباتی مسلمان تھا بلکہ قدیم وجدید علوم کا ایسا نابغہ تھا جن کی انگریزی دانی پر انگریز ششدر رہ جاتے تھے۔ میری مراد برصغیر پاک وہند کی آزادی اور تحریک خلافت کے روح رواں مولانا محمد علی جوہر ہیں۔ آپ کو سرکار دوعالمؐ سے جو عقیدت ومحبت تھی شاید اسی کی بدولت آپ کو بیت المقدس (ارض الانبیاء) کی خاک میں ابدی

آرام گاہ نصیب ہوئی، ۱۹۲۱ء میں مولانا کو برطانوی حکومت کے خلاف جرم بغاوت کی پاداش میں گرفتار کیا گیا۔ تو ان پر کراچی میں مشہور تاریخی مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمے کے دوران مولانا محمد علی جوہرؒ جنہوں نے اراکین جیوری سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا کہ ایک مسلمان سب سے پہلے اپنے پیغمبر کے لائے ہوئے دین کا وفادار ہے۔ جس کی رو سے برطانوی فوج میں ملازمت حرام ہے۔ (اللہ اللہ! برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے یہ کتنے خوبصورت دن رات تھے ان کو جوہرؒ جیسے راہنما میسر تھے جو برطانوی ملازمت کو حرام قرار دیتے رہے)۔ مقدمے کے دوران اسی تاریخی خطاب میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کا جو انسانی آزادی کا اولین چارٹر ہے، حوالہ دیا تو اس پر انگریز جج نے کہا، ''ختم کرو یہ قصہ اور چھوڑ و اپنے پیغمبر کی بات'' مولانا نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا'' کروں گا اور ضرور کروں گا میں پیغمبر کی بات، واپس لو اپنے الفاظ کو، میں کہتا ہوں واپس لو اپنے الفاظ کو، خبردار! جو شخص میرے پیغمبر کی شان میں گستاخی کرے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا، اسے میں جان سے مارڈالوں گا مولانا دفاعِ رسالت میں بولتے چلے گئے اور آخر میں شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اور ہچکی بندھ گئی۔

جب راجپال نے ہتک آمیز کتاب شائع کی تو اس سے پورے برصغیر کے مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس تاریخی موقع پر اس قسم کی حرکتوں کے سدباب کے لئے قانون توہین رسالت بنانے پر زور دیا اور اس کے لئے بہت کوشش کی لیکن ایک موقع پر عشقِ رسولؐ کے حوالے سے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے بہت مدلل انداز میں فرمایا:

''جہاں تک خود میرا تعلق ہے مجھے نہ تو قانون کی ضرورت ہے اور نہ عدالتوں کی حاجت، اگر کوئی ہندوستانی بھائی (ہندو) اتنا سنگدل ہے کہ مجھ سے تو ایک معمولی جانور (گائے) کا تقدس منوا کر اس سے متمتع ہونے کے حق سے میری دستبرداری کا طالب ہے لیکن جو اشرف المخلوقات ہیں ان میں سے اشرف وافضل نبیؐ سرورکونین اور باعث تکوین دو عالم کا جو تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا

ہوا ہے اس کا اتنا پاس بھی نہیں کرتا کہ اس برگزیدہ ہستی کی توہین کر کے میرے دل کو چور چور کرنے سے احتراز کرے تو مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا صبر کروں گا۔ اور جب صبر کا جام لبریز ہو جائے گا تو اٹھوں گا یا تو اس گندہ دل، گندہ دماغ اور گندہ ذہن کافر کی جان خود لے لوں گا یا اپنی جان اس کوشش میں کھو دوں گا(۴۸)'۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مولانا محمد علی جوہر نے جن ایام میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ جوہر صاحب پکے کانگریسی (Congress man) تھے اور کانگریس میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اگرچہ کانگریس کے تمام ہندو لیڈروں سے مولانا کے اچھے تعلقات تھے اور وہ ان سب کی عزت کرتے تھے۔ مگر رسولؐ خدا کی حرمت کا معاملہ ان سب باتوں پر مقدم تھا۔

برصغیر ہند و پاک میں ناموسِ رسالت پر قربان و نثار ہونے والوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس حوالے سے خاکسترِ امت میں ایک سے بڑھ کر ایک چنگاری موجود ہے جنہیں ایسے مواقع پر شعلہ جوالا بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ہندوستان پر برطانوی راج کے زمانے میں جب سندھ صوبۂ بمبئی کا حصہ تھا آریہ سماج، (حیدرآباد، سندھ) کے سیکریٹری نتھو رام نے ''ہسٹری آف اسلام'' کے نام سے ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں آقائے دو جہاں سرکارِ دو عالم احمد مجتبیٰ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت دریدہ ذہنی اور افتراء پردازی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ مسلمانانِ ہند کے دلوں پر ابھی راجپال کا لگایا ہوا زخم تازہ تھا کہ اس دوسری مذموم حرکت سے ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا، عین ممکن تھا کہ بہت بڑے پیمانے پر قانون شکنی کے واقعات پیش آتے لیکن حکومت نے دور اندیشی سے کام لے کر خود ہی نتھو رام پر مقدمہ قائم کر دیا۔ عدالت نے کچھ جرمانے اور ایک سال قید کی سزا سنائی لیکن جب وی۔ ایم۔ فیرس (V.M. Faras) جوڈیشنل کمشنر کراچی کی عدالت میں نتھو رام کی اپیل دائر ہوئی تو کمشنر نے

درخواست برائے سماعت قبول کرتے ہوئے شاتم رسول کی درخواست بھی منظور کرلی۔ مسلمان اپنی سخت دل آزاری اور ایک حساس مسئلے کے باعث ملزم سے برطانوی حکومت کی اس رعایت کی توقع نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ سندھ کے سارے مسلمان سراپا احتجاج ہوئے اور ناموسِ رسالت پر نتھورام کے ناروا حملوں نے ان کے خرمن سکون وصبر کو جلا کر خاک کردیا۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں عین اس وقت جب کہ کراچی میں دو انگریز ججوں پر مشتمل عدالت میں اہانتِ رسولؐ کے ملزم نتھورام کی اپیل کی سماعت کی جارہی تھی اور کمرۂ عدالت ماہرینِ قانون، شہری نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔ غازی عبد القیوم نامی ایک نوجوان اپنا تیز دھار چاقو لیکر نتھورام پر حملہ آور ہوا۔ اس کو گردن پر دو کاری زخم لگے جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگیا اور غازی عبدالقیوم نے بغیر کسی مزاحمت کے خود کو پولیس کے حوالے کردیا۔ اس پر قتل کا مقدمہ چلا اور سیشن جج کی عدالت سے سزائے موت سنائی گئی۔ اس پر مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ غازی عبدالقیوم کے مقدمہ کی پیروی کے لئے آگے آیا۔ مگر اس بندۂ خدا نے ہر شخص کو یہی جواب دیا کہ ''میں اقبالی بیان تبدیل کرکے اپنی عاقبت خراب نہیں کروں گا''۔ میں نے جان دے کر رتبۂ شہادت خریدا ہے آپ مجھ سے یہ نعمت چھیننے کی کوشش نہ کریں۔ مقدمہ کے دوران سماعت اس نے عدالت میں لگی ہوئی برطانیہ کے بادشاہ جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرکے انگریز جج سے کہا تھا ''تم اپنے بادشاہ کی توہین برداشت نہیں کرسکتے تو میں اپنے آقا کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کس طرح معاف کرسکتا ہوں''۔ اس تاریخی مقدمہ میں اشتعال، ایمان وعقیدے اور مغلوب الغضب ہونے کی نفسیاتی کیفیات پر قانون کی تشریحات اور اہم توجیہات پر نہایت معرکہ آراء بحث ہوئی تھی۔ اس مقدمے کے فیصلہ کے خلاف اپیل کے پیروکاروں نے حکیم الامت علامہ محمد اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کو بطور گواہ طلب کرنا چاہا تھا۔ لیکن عدالت نے اس درخواست کو قبول نہیں کیا۔ جس وقت جسٹس واد یا مہتا اور نو ارکان جیوری کے سامنے جو چھ انگریزوں، دو پارسیوں اور گوانی اینگلو انڈین ممبروں پر مشتمل تھی۔ اس اپیل کی سماعت شروع ہوئی تو کم وبیش پچیس، تیس ہزار

مسلمانوں کا ہجوم عدالت کے باہر فیصلے کا منتظر تھا''(۲۹)۔

ناموس رسالت ﷺ پر کراچی کے جاں نثاروں کا یہ عالم تھا کہ انگریز حکام نے غازی عبدالقیوم کو پھانسی دینے کے بعد مقررہ وقت پر برسرعام جسد خاکی ورثاء کے سپرد کرنے کی جرأت بھی نہیں کی بلکہ کسی دوسرے وقت شہید کی میت کو جیل سے نکال کر تدفین کے لئے بھیجا گیا۔

علامہ اقبالؒ نے غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم کے شاندار روحانی اور عشقی فتوحات کی طرف اپنے شعری مجموعے ضرب کلیم میں ''لاہور اور کراچی'' کے عنوان سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

؎ نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مردِ مسلماں، تجھے کیا یاد نہیں
حرف ''لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ ''(۳۰)

ناموسِ رسالت کے حوالے سے مسلمانانِ برصغیر پاک وہند کی تاریخی جھلکیاں ان کی غیرت ایمانی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بے انتہا محبت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ لیکن ڈنمارک اور یورپ کے اخبارات کی گستاخ جسارت سے پہلے مشرق وسطی، افریقہ اور سنٹرل ایشیاء اور یورپ کے مسلمانوں کی طرف سے اس جوش وجذبے کا اظہار نہیں ہوتا تھا جواب کی بار امت مسلمہ کی حیثیت سے ہوا ہے۔ عالم اسلام میں شاید یہ بڑے عرصے بعد پہلی بار ہوا ہے کہ دنیا کے ہر گوشے میں آباد مسلمانوں نے توہین آمیز خاکوں کے خلاف شدید ردِعمل کا اظہار ایک ہو کر کیا ہے۔ امت کے حوالہ سے یہ بہت ہی نیک شگون اور مستقبل قریب میں بہت دوررس تبدیلیوں کے

آ ثار لانے والی علامت ہے۔ حالانکہ گذشتہ ڈیڑھ صدی سے یورپ نے اور بعد میں امریکہ نے ایڑی چھوٹی کا زور لگایا کہ بے ہودہ اور فحش لٹریچر، فلم اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کو ''روشن خیال'' بنایا جائے تاکہ توہین رسالت جیسے واقعات پر بھی احتجاج اور مذمت کی کوئی نوبت نہ آئے۔

امریکہ کے بڑے بڑے صنعتی اداروں پر بیشتر اجارہ داری یہودیوں کی ہے۔ دنیا کے سات بڑے اشاعتی اور میڈیا کے ادارے یہودیوں کے پاس ہیں جو وقتاً فوقتاً اس قسم کے فتنے مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو آزمانے کیلئے برپا کرتے رہتے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں پنہاس بن ناہم'' نامی یہودی نے امریکہ سے "Turkish Art of Love in Pictures" نامی کتب شائع کر کے اسلام کے حوالے سے بہت قابل اعتراض مواد کے ذریعے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر کے رکھ دیا۔

حالانکہ جو کچھ امریکہ، یورپ اور ہنود کے نام نہاد سکالرز، دانشور اسلام کے بارے میں اپنے خبث باطن کا اظہار کرنے کے لئے شائع کرتے ہیں۔ ایک عام پڑھا لکھا سنجیدہ اور شریف انسان خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب وملت سے ہو، اس سوقیانہ طرز تحریر، گھٹیا انداز فکر اور مخرب اخلاق خاکہ نگاری کو شائستہ طرز اظہار اور مذہبی رواداری کے مطابق کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس قسم کے مواد کو دیکھ کر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اسلام کے ہمہ جہتی (Comprehensive) نظام حیات پر نکتہ چینی کی گنجائش نہ پا کر معاندین اسلام اپنے حسد کی آگ ناموس رسالت پر ناروا حملے کر کے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

''یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟۔۔۔''

قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ابلیس کے آلۂ کار لوگوں نے ہمیشہ سے حق کا راستہ روکنے، حق کو مسخ کرنے اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنے کے لئے ہر دور میں بھرپور کوششیں کی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا[۳۱]"

''اور یہ لوگ (یہود و نصاریٰ اور مشرکین) ہمیشہ تم سے جھگڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر (ان کا) بس چلے تو تم کو اپنے دین سے پھیر دیں''۔

اس کے علاوہ اس آیت کریمہ کو دیکھیں:

"وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ[۳۲]"

''نہ ہی یہود اور نہ نصاریٰ آپ سے راضی ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملّت کی پیروی نہ کریں''

اسلام اور انبیاء کے خلاف اس قسم کی بے بنیاد تحریکیں اٹھانا اتنا ہی پرانا کام ہے جتنا خود انسان، البتہ زمانے کے ساتھ ساتھ اس کی صورتیں مختلف روپ اور بھیس بدلتی رہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن و حدیث میں اس نظریے کو سمجھ کر فرمایا تھا:

بدل کر بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانہ میں
اگرچہ پیر ہیں آدم، جواں ہیں لات و منات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اسلام کی ابدیت کا فرمان ان الفاظ میں جاری فرمایا:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"[۳۳]

یہود و نصاریٰ کو اسلام کی ابدیت کا یہ پیغام کبھی گوارا نہ ہوا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی حقانیت اور ابدیت کے متعلق یہ فرمان بھی جاری ہوا کہ:

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ"[۳۴]

''اس فرمان کے نزول کے بعد تو یہود کی دشمنی کی انتہاء نہ رہی اور وہ مزید بھڑک اٹھے۔ ان فرامینِ خدا کے بعد انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، کبھی اسلام کو طاقت کے ذریعے دبانے کی کوشش کی اور کبھی منافقانہ دوستی کی آڑ میں دوغلی پالیسی کے تحت اسلام کے جامع اور انسانیت کے سارے مسائل کے حل کے لئے تیر بہدف نظام کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔ جیسے آج کل امریکہ اور پاکستان اور پھر بھارت اور پاکستان کے درمیان نان نیٹو اتحادی، دہشت گردی کے خلاف اتحاد اور سرحدوں کو نرم کرنے اور ثقافتی طائفوں کے تبادلوں کی آڑ میں شیر و شکر ہونے کی باتیں جاری ہیں جو سب ایک کھلا دھوکا ہے۔ لیکن اے کاش! کہ اس کو سمجھنے کے لئے مؤمنانہ بصیرت موجود ہوتی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت کے بارے میں پوچھا گیا تو بتلایا گیا۔ "لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ" "نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھاتا ہے''۔ مؤمن کی فراست تو ضرب المثل تھی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ ''مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان آج کے حوالے سے بہت سبق آموز ہے کہ ''مؤمن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا'' علامہ اقبال نے مؤمن کی اسی صفت کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

؎ حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے

لیکن ہائے افسوس کہ قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں اور یزیدان وقت دندناتے پھر رہے ہیں:

؎ قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!(۳۶)

ان لوگوں کے آباء و اجداد اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں اس حد تک بھی گئے کہ صبح

کو اسلام قبول کرنے کا علان کرتے اور شام کو اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاتے۔اس عمل سے وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہونے والوں کو شک وشبہ میں مبتلا کرنے کی سعی میں رہتے تاکہ یہ لوگ سوچنے پر مجبور ہوجائیں کہ اسلام میں آخر کوئی کمی ضرور ہے کہ یہ لوگ داخل ہونے کے بعد پھر اسلام سے دستبردار ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو مسلمانوں کے سامنے ان الفاظ مبارکہ میں بے نقاب کردیا:

"وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ"(۳۷)

''اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبیؐ کے ماننے والوں پر جو کچھ نازل ہوا اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو انکار کردو۔شاید (اس ترکیب سے) یہ لوگ اپنے ایمان سے پھر جائیں''۔

اس کے علاوہ بھی یہود ونصاریٰ، منافقین ومشرکین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف متعدد سازشیں کی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ہوا ہے۔لیکن ان کی یہ سازشیں اور مکر وفریب اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو نہیں روک سکیں۔ وہ آج بھی اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔اور ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اسلام کو سب سے بڑا دشمن تصور کرتے ہیں۔اسلام دشمنی ہی نے امریکہ اور یورپ کو آپس میں بہت گہرے اختلافات کے باوجود ایک کردیا ہے۔ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے ہی ناٹو فوجیں (Nato Forces) اتحادی (Allies) کے نام سے کاروائیاں کرتے ہیں۔ان لوگوں کی اس قسم کی کاروائیوں کے بہت دوررس مقاصد ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

دینی (نظریاتی) مقصد:

کم از کم اس زمانے میں اب یہ کوئی پوشیدہ راز نہیں کہ یہود وہنود، اسلام اہل اسلام کے لئے سخت مخالفانہ اور معاندانہ جذبات رکھتے ہیں۔ان کی یہ مخالفت اور قساوت قلبی نظریاتی اور فکری بنیادوں پر

استوار ہے۔قرآن کریم میں ان کے اس رویے کا اظہار یوں کیا گیا ہے۔

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا"(۲۸)۔

''تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے''۔

یہودیت اور عیسائیت نے اسلام کی اشاعت اور جامع احکامات کے اثرات دیکھ کر اس کو اپنا حریف سمجھا اور اس کو مٹانے کے لئے ایک نظریاتی جنگ شروع کی جو آج تک جاری ہے۔

استعماری اور سیاسی مقاصد:

اندلس کا مسلمانوں کے قبضے سے نکلنا ان کے معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی زوال کی ابتداء تھی۔ مسلمانوں کے زوال اور انحطاط اور سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل یورپ نے ان کی خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کردیا۔ پھر پندرھویں صدی سے اہل یورپ کو سائنسی اور سیاسی عروج حاصل ہونے لگا تو اقوام یورپ نے ایشیا، افریقہ وغیرہ پر قبضہ جمالیا۔ اسی قبضے کے دوران اہل یورپ نے مسلمانوں کے عقائد، نظریات اور تہذیب وتمدن کو نشانہ بنایا۔ جس کے اثرات آج تک پائے جاتے ہیں۔

اقتصادی اور تجارتی اہداف:

اسی استعماری دور میں اہل یورپ نے مسلمان خطوں کی تجارت اور وسائل پر قبضہ کیا۔ ڈیڑھ صدی تک لوٹنے کے بعد بھی ان کا جی نہیں بھرا اور ان کے حرص اور لالچ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب ایک دفعہ پھر مسلمانوں کے ان علاقوں پر جہاں قدرتی وسائل کی فروانی ہے، قبضہ کی کوششیں جاری ہیں۔ افغانستان اور عراق امریکہ کے سینہ زوری کے شکار ہو چکے ہیں۔ ایران، پاکستان، شام اور سعودی عرب کے لئے تھینک ٹینک کام کررہے ہیں۔

پس چہ باید کرد اے اقوام مسلم!

اب ان حالات میں امتِ مسلمہ کا کیا ردِ عمل اور کردار ہونا چاہئے؟ اس سوال کا جواب یقیناً بہت طویل ہے۔ لیکن چند ایک نکات کو بیان کئے بغیر بات مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس وقت امریکہ اور اہل یورپ کا لائحہ عمل اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے بہت واضح ہے۔ ان حقائق سے آنکھیں بند کرنا، یا چرانا شتر مرغ بننے کے مترادف ہوگا۔

امریکہ جس نیو ورلڈ آرڈر پر عمل پیرا ہے۔ جس میں یورپ بھی کچھ چاہتے ہوئے اور کچھ نہ چاہتے ہوئے اس کا اتحادی ہے۔ اس کا واحد مقصد مسلمان کُشی، اسلام دشمنی اور مسلم ثقافت وتہذیب کے خلاف عام نفرت پیدا کرنا اور کسی بھی علاقے میں اسلام کے مثالی نفاذ کو پسپا کرنا۔ کروسیڈ (Crusade) اور تہذیبوں کے جس تصادم (Clash of Civilization) کا زبانی انکار کیا جارہا ہے، عملاً اسی کی طرف پیش قدمی ہے۔

یہ توہین آمیز خاکے (Caricature) نہ تو فردِ واحد کے خبیث ذہن کی پیداوار ہے اور نہ کوئی اتفاقی فعل ہے۔ کیونکہ مدیر اخبار کا اس بات پر ڈٹ جانا، معافی نہ مانگنا اور یورپ کے دیگر اخبارات کا ان خاکوں کو دوبارہ اور سہ بارہ شائع کرنا اور ہندوؤں تک پہنچنا اور ان کا اپنے اخبارات میں شائع کرنا، ڈنمارک کا ان کو نصابی کتب میں شائع کرنے کا عندیہ ظاہر کرنا، عجائب گھروں میں سجانا، اہل یورپ کے مستقبل کے لائحہ عمل کی وضاحت کرنے کے لئے کافی ہے۔

ڈنمارک کے تعلیمی شعبہ کے پبلشر پیٹر مولرپ کا یہ کہنا کہ ان خاکوں کے خلاف جو کچھ ہورہا ہے اسے چھپایا نہیں جاسکتا۔ بلکہ ان کے متعلق آنے والی نسلوں کو بتانا ضروری ہے؟ کیا ہم پر یہ فرض عائد نہیں کرتا کہ ہم بھی اپنے آنے والی نسلوں کو ان اقوام کا کچا چٹھا بیان کریں اور قوم کے نوجوانوں کو بتادیں کہ عالمی تھانیدار (امریکہ) نے ڈنمارک کے وزیر اعظم کو باقاعدہ فون کرکے ہلاشیری دی۔ امریکی وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے اس بیان کو مسترد کردیا کہ

''ان ہنگاموں میں ایران اور شام کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا''۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات کا خون کیا گیا دوسرا الٹا اس کا الزام بھی مسلمانوں پر تھوپ رہے ہیں۔ گویا امریکہ مسلمانوں کے اس انتہائی سنگین مسئلہ کو سیاسی مقصد کے لئے استعمال کرنے کے درپے ہے۔

ان خاکوں کے حوالے سے امریکہ اور اہل یورپ کا موقف ہمارے سامنے آچکا جس سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ یہ سب کیا کرایا تہذیبوں کے تصادم کو قریب لانے اور مسلمانوں کو جذبۂ ایمان اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم کرنے اور اس کو لمحۂ امتحان میں ڈالنے کی سوچی سمجھی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ لہٰذا آج ہمیں جس چیز کی بہت زیادہ ضرورت ہے وہ اتحاد بین الامت اور رجوع الی القرآن والسنۃ ہے۔

اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اپنی زندگی کے آخری 'کل ہند اجتماع' سے چارپائی پر لیٹ کر جو خطاب فرمایا تھا اس کا لب لباب بھی یہی تھا اور اس وقت امریکہ کی جگہ برطانیہ استعماری قوت تھا۔ امام کعبہ عبدالرحمٰن السدیس نے بھی مسلمانان عالم سے یہی درخواست کی ہے کہ ''مغربی ممالک کی صلیبی جنگ (Crusade) سے نمٹنے کے لئے مسلمانوں کو اختلافات بھلا کر متحد ہونا چاہئے''۔

توہین آمیز خاکوں کی اشاعت نے امتِ مسلمہ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ امتِ مسلمہ صدیوں سے اپنی نااتفاقیوں اور مسلمان حکمرانوں (الا ماشاء اللہ) کی بے حسی اور عیش کوشیوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ مگر الحمد للہ پھر بھی امت مسلمہ (جن کو بعض حضرات درد سے اور بعض طنزاً امتِ مسلمہ مرحومہ کہتے ہیں) اتنی سخت جان ہے کہ اپنی ہزار بے عملیوں، کوتاہیوں، خامیوں کے باوجود اپنے دلوں سے جناب رسول اللہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نکلنے نہیں دیتی، بلکہ اب محبت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، کیونکہ یہی تو اصل ایمان ہے۔

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے

اس بہت نازک موقع پر ہم محبان رسولؐ کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ چونکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ اسلام محبت، امن، بھائی چارے، انسانی وحدت اور ساری نسلِ انسانی کی فلاح، بھلائی اور بہبود کا ضامن دین ہے۔لیکن دشمنانِ اسلام وقتاً فوقتاً ہماری مقدس شخصیات، مقامات اور تعلیمات کو چھیڑ کر ہمیں جھگڑالو، فسادی، امن دشمن، دہشت گرد اور لوگوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے اور لوٹنے والے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔لہٰذا ہمیں متحد ہو کر ان کی سازشوں کو ناکام بنانا ہے۔ یہ تاریخ کا حصہ ہے اور قرآن کی تعلیم ہے کہ مسلمان نے کبھی بھی کسی غیر مذہب کے لوگوں کے ردعمل میں کسی مذہب یا مذہبی پیشوا کو برا بھلا نہ کہا نہ لکھا۔ ہندوستان میں بابری مسجد کو ہندوؤں نے دن دیہاڑے مسمار کر کے برباد کر دیا۔لیکن ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں نے پرامن احتجاج کے سوا ہندوؤں کی کسی عبادت گاہ کو مسمار نہیں کیا۔ہمیں اب بھی اس طرز عمل کا مظاہرہ کرنا ہے اور پوری انسانیت کو اسلام کی رحمت کا درس پیش کرنا ہے۔اگر پوری انسانیت کو اسلام کا حقیقی تعارف، قرآن کا لافانی پیغام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی تعلیماتِ رحمت پہنچ گئیں تو انسانیت کو ظلم کی تاریکی سے نجات مل جائیگی۔اس اہم اور عظیم مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اس چیلنج کو قبول کرنا ہوگا کہ اگر سالانہ انجیل کے ہزاروں نسخے اور ان کی تشریحات، ولیم شکسپیئر کے ڈرامے اور اس پر تحقیقی کام، میکسم گورکی کے ناول، کارل مارکس اور اس کے فلسفہ پر سینکڑوں ہزاروں کتب، چارلس ڈکنس، ڈی موپساں، ماؤزے تنگ، پاپائے روم، گوئٹے، ٹالسٹائی وغیرہم کے کارناموں کو دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جاسکتا ہے تو کیوں نہ ہم بھی ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں کتب سیرت کی ایک معقول تعداد کا دنیا کی اہم زبانوں میں ترجمہ کر کے پھیلائیں اور اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مخالفین اسلام کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔

توہین رسالت کے تدارک کے لئے لائحۂ عمل:

اس وقت جب دنیا سمٹ کر واقعی ایک گاؤں بن چکی ہے اور ذرائع ابلاغ نے حیرت انگیز اور محیّر العقول ترقی کی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ کے ذمہ دار، پڑھے لکھے، متقی و دیندار علمائے کرام، دانشور اور زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی اپنی ذمہ داریوں اور فرائض منصبی کا احساس کریں اور آج سے ہی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کو سامنے رکھیں کہ ہم ہی وہ امت ہیں جن کا فرض منصبی یہ ہے کہ: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (۳۹) "تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کو نیکی کی طرف بلانے اور برائیوں سے روکنے کے لئے نکالا گیا ہے"۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں امتِ مسلمہ کے ذمہ دار افراد کا فرض یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل درآمد کے لئے سازگار ماحول پیدا کیا جائے تاکہ مثالی اسلامی معاشرہ دیگر اقوام کے لئے قابل تقلید نمونہ بن کر سامنے آئے اور لوگ اسلام کی طرف راغب اور مائل ہوں۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے مدومعاون اور امتِ مسلمہ کے بہت بڑے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مسلمان ملکوں میں جمہوریت کا فقدان ہے۔ اس وقت امریکہ اور یورپی یونین مسلمانوں پر اپنا ایجنڈا مسلمان ملکوں میں مغربی ذہن وفکر کے حامل مقتدر طبقے کے ذریعے مسلط کر رہا ہے۔ حقیقی اسلامی جمہوریت کی صورت میں یہ بہت مشکل ہوگا۔ جمہوریت کی صورت میں ملک کے تمام بڑے مسائل عوام کے حقیقی نمائندے ان کے جذبات وخواہشات کا احترام رکھتے ہوئے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موجودہ توہین رسالتؐ کے معاملے میں اس حوالے سے مسلمان معاشروں میں جمہوریت کے فقدان نے بہت بڑا نقصان کیا۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اکیسویں صدی میں مسلمان ملکوں کے حکمران کہیں بادشاہ ہوں اور کہیں آمر، اور کہیں محدود جمہوریت؟ اور پھر ان کے مداحین بھی پیدا کئے جائیں۔

علامہ اقبالؒ نے تو ایسے علماء اور ائمہ کی امامت کو فتنہ قرار دیا تھا جو مسلمانوں کو سلاطین امراء کے ماتحت زندگی گزارنے کا درس دیتے ہوں۔

فتنۂ ملّت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے

توہین رسالت کے سدّ باب کے لئے دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمام اسلامی ملکوں میں ایسے علماء اور دانشور تیار کئے جائیں جو قرآن وحدیث کے علوم سے منور ہونے کے ساتھ مغربی علوم اور زبانوں سے بھی واقف ہوں اور ہو نہ ہو کم از کم انگریزی زبان پر عبور ہو تاکہ امریکہ اور یورپی اسکالرز کے ہفوات اور ہزلیات کا علمی جواب دے سکیں۔ اس کے علاوہ تمام اسلامی دنیا کے علماء کا سالانہ اجتماع مکۃ المکرّمہ یا مدینہ منورہ میں منعقد ہونا چاہئے تاکہ اس قسم کے مسائل پر سوچ بچار اور غور وفکر کر کے نئی نسل کی رہنمائی کے لئے تحقیقی منہج پر علمی مواد ترتیب دیا جا سکے۔

مسلمان ملکوں کے تعلیمی نصاب میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پرائمری سے ماسٹرز کی سطح تک لازمی مضمون کے طور پر اسلامیات کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

اسلامی ممالک اسلامی عقائد اور شعائر کے تعارف اور ان کے لازمی احترام کے لئے عالمی اداروں میں قانون سازی کے لئے بھرپور جدوجہد کریں اور غیر مسلموں پر دوٹوک انداز میں واضح کیا جائے کہ اس سلسلے میں کوئی رورعایت نہیں برتی جائیگی۔ خلاف ورزی کی صورت میں تمام مسلم ممالک ، او آئی سی (O.I.C) کے پلیٹ فارم پر اس ملک کا جس کے کسی فرد نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہو، سفارتی اور اقتصادی بائیکاٹ کریں ۔

مسلمان ممالک کا مشترکہ طور پر ایک عالمی پائے کا ایسا تحقیقی ادارہ ہونا چاہئے جو ایک طرف مسلمان دنیا کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مغربی ممالک کے ہم پلہ بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے اور دوسری طرف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ اور اشاعت کے لئے بین الاقوامی سطح پر منصوبہ بندی کرے اور اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، دار الکتاب العربی بیروت، ج ۴، ص ۱٦۰

۲۔ سورۂ احزاب: ۴۰

۳۔ تفہیم القرآن، تفسیر سورۂ حجرات: ۲

۴۔ سورۂ توبہ: ۱۲۸

۵۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۱۷، کتاب الجہاد والسیر، باب الحمائل وتعلیق السیف بالعنق۔

٦۔ سورۃ الانبیاء، ۱۰۷:

۷۔ رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلمان منصور پوری، ج ۳، ص ۹۴

۸۔ السیرۃ النبویہ، لابن ہشام، ج ۳، ص ۱۲

۹۔ السیرۃ النبویہ، لابن ہشام، ج ۳، ص ۲۱۸

۱۰۔ سورۂ توبہ: ٦۱

۱۱۔ تفسیر انوار البیان فی کشف اسرار القرآن، مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی، تحت سورۂ توبہ: ٦۰۔

۱۲۔ سورۃ المجادلۃ: ۲۷

۱۳۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول، احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، دار ابن حزم بیروت، ط ۱، ۱۴۱۷ھ، ص ۳۲

۱۴۔ انوار البیان فی کشف اسرار القرآن، تفسیر سورۂ المجادلۃ: ۲۲

۱۵۔ عصمت الانبیاء، علامہ مفتی مدرار اللہ، مکتبۂ مدینہ، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۷، ص ۱۱۷-۱۱۸

۱٦۔ ناموسِ رسالت اور قانون توہین رسالت، محمد اسماعیل قریشی، ص ۱۸۷

۱۸۔ سورۃ الانبیاء: ٦۸

۱۹۔ سورۂ مریم: ۴٦

۲۰۔ Encyclopadea of Religion Vol.2, p.239

۲۱۔ کتاب المقدس، الأخبار، باب ۲۴

۲۲۔ اسلام دور حاضر میں، ولفرڈ کینٹویل سمتھ، (ترتیب مشیر الحق)، ص ۲۱

۲۳۔ سورۃ الانشراح: ۳

۲۴۔ سورۃ البقرہ: ۱۳۶

۲۵۔ سورۃ المجادلۃ: ۸

۲۶۔ انوار البیان فی کشف اسرار القرآن، تفسیر نفس الآیۃ۔

۲۷۔ ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت، ص ۳۹۳

۲۸۔ مولانا محمد علی جوہر، اسد القادری، ص ۴۶

۲۹۔ سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر ۱۹۷۳، لاہور۔

۳۰۔ ضرب کلیم، علامہ محمد اقبال، ص ۵۵

۳۱۔ سورۃ البقرہ: ۲۱۷

۳۲۔ سورۃ البقرہ: ۱۲۰

۳۳۔ سورۃ المائدۃ: ۳

۳۴۔ سورۃ آل عمران: ۸۵

۳۵۔ کلیات اقبال (بال جبریل) ص ۶۴

۳۶۔ بال جبریل (نظم ذوق وشوق)

۳۷۔ سورۃ آل عمران: ۷۲

۳۸۔ سورۃ المائدۃ: ۸۲

۳۹۔ سورۃ آل عمران: ۱۱۰

کتابیات

۱۔ اسلام دور حاضر میں، ولفرڈ کینٹویل سمتھ (ترتیب مشیر الحق) مکتبۂ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۸۴۔

۲۔ اسلامیات اور مغربی مستشرقین اور مسلمان مصنفین، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات، اسلام کراچی، ۱۹۹۲

۳۔ أصح السیر، مولانا عبدالرؤف داناپوری، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۰ء

۴۔ السیرة النبویة لابن ہشام، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۸۹، (۱۴۰۹)

۵۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، سید ابوالحسن علی ندوی، نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۲

۶۔ برصغیر میں اسلامی جدیدیت، عزیز احمد پروفیسر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور ۱۹۷۹ء۔

۷۔ تبیین الکلام فی تفسیر التوراة والانجیل، پرائیویٹ پریس، ازی پور، ۱۸۶۲

۸۔ تجلیات سیرت، محمد ثانی حافظ ڈاکٹر، فضل سنز، کراچی، ۱۹۹۶ء۔

۹۔ رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، الفیصل، اردو بازار لاہور، 1991

۱۰۔ سیرت النبیؐ، مولانا شبلی نعمانی، مکتبۂ مدینہ، اردو بازار لاہور۔

۱۱۔ سیرت سرور عالمؐ، مولانا مودودیؒ، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۹۹ء

۱۲۔ عصمت الانبیاء، علامہ مفتی مدرار اللہ، مکتبۂ مدینہ اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۷۔

۱۳۔ شتم رسول کا مسئلہ، وحید الدین سید، دار التذکیر، اردو بازار لاہور ۱۹۹۷

۱۴۔ ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت، محمد اسماعیل قریشی، الفیصل اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء۔

۱۵۔ یہودی سازشیں اور فتنۂ انکار حدیث، انعام اللہ پروفیسر، تاج پرنٹنگ پریس پشاور ۱۹۹۴ء